

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اشارات

”وَعْقَلِيتَ“ اور ”فَطَرِيتَ“، یہ دو چیزیں ہیں جن کا اشتہار گزشتہ دو صدیوں سے مغربی تہذیب بڑے زور شور سے دے رہی ہے۔ اشتہار کی طاقت سے کون انکار کر سکتا ہے جس چیز کو پیہم اور مسلسل اور بجزرت، منگا ہوں کے سامنے لایا جائے اور کانوں پر مسلط کیا جائے، اس کے اثر کے انسان اپنے دل اور دماغ کو کہاں تک بچائیگا اور کب تک بچاتا رہے گا۔ بالآخر اشتہار کے زور سے دنیا نے یہ بھی تسلیم کر لیا کہ مغربی علوم اور مغربی تمدن کی بنیاد سراسر عقلیت اور فطرت پرستی حالانکہ مغربی تہذیب کے تنقیدی مطالعہ سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ اس کی بنیاد نہ عقلیت پر ہے اور نہ اصول فطرت کی متابعت پر، بلکہ اس کے برعکس اس کا پورا ڈھچرٹ اور خواہش اور ضرورت پر قائم ہے۔ مغرب کی نشاۃ جدیدہ دراصل عقل اور فطرت کے خلاف ایک نفاوت تھی۔ اس نے معقولات کو چھوڑ کر محسوسات اور مادیات کی طرف رجوع کیا۔ عقل کے بجائے حس پر اعتماد کیا۔ عقلی ہدایت اور منطقی استدلال اور فطری وجدان کو رد کر کے محسوس مادی نتائج کو اصلی حقیقی معیار قرار دیا۔ فطرت کی رہنمائی کو مردود ٹھیکر خواہش اور ضرورت کو اپنا رہنما بنایا۔ ہر اس چیز کو بے اہل سمجھا جو ناپ اور تول میں نہ آ سکتی ہو۔ ہر اس شے کو سچ اور ناقابل اعتنا قرار دیا جس پر کوئی محسوس مادی منفعت مرتب نہ ہوتی ہو۔ ابتدا میں یہ

حقیقت خود اہل مغرب سے چھپی ہوئی تھی، اس لیے وہ عقل اور فطرت کے خلاف چلنے کے باوجود ہی سمجھتے رہے کہ انہوں نے جس ”روشن خیالی“ کے دور جدید کا افتتاح کیا ہے اس کی بنا ”عقلیت“ اور فطرت پر ہے۔ بعد میں اصل حقیقت کھلی مگر اعتراف کی برأت نہ ہوئی۔ منافقت کے ساتھ اُردو پرستی اور خواہشات کی غلامی، اور مطالبات نفس و جسد کی بندگی عقلی استدلال اور ادعا کے فطرت کے پردے ڈالے جاتے رہے لیکن اب انگریزی محاورے کے مطابق ”بہنی تھیلے سے بالکل باہر آ چکی ہے“ غیر معقولیت اور خلاف ورزی فطرت کی لئے اتنی بڑھ چکی ہے کہ اس پر کوئی پروا نہیں ڈالا جاسکتا۔ اس لیے اب کھلم کھلا عقل اور فطرت دونوں سے نجات کا اعلان کیا جا رہا ہے، علم اور حکمت کی مقدس فضا سے لے کر معاشرت، ہمیشہ، اور سیاست تک ہر جگہ نجات کا علم بلند ہو چکا ہے، اور ”تہذیب پرست“ منافقین کی ایک جماعت کو سستنی کر کے دنیا کے جدید کے تمام رہنما اپنی تہذیب پر صرف خواہش اور ضرورت کی حکمرانی تسلیم کر رہے ہیں۔

مشرقی متغربین و متغربین اپنے پیشواؤں سے ابھی چند قدم پیچھے ہیں۔ ان کا دماغی نشوونما جس تعلیم اور جس ذہنی فضا اور جن عوازل تہذیب و تمدن کے زیر اثر ہوا ہے ان کا تقاضا یہی ہے کہ وہ ہی محسوسات و مادیات کی پرستش اور خواہشات و ضروریات کی غلامی ان میں بھی پیدا ہو، اور فی الواقع ایسا ہی ہو رہا ہے، مگر ابھی تک یہ اس منزل پر نہیں پہنچے ہیں جہاں بلی تھیلے سے باہر آ جائے۔ اپنی تحریر و تقریر میں یہ اب بھی کہے جا رہے ہیں کہ ہم صرف عقل اور فطرت کی رہنمائی تسلیم کرتے ہیں۔ ہمارے سامنے صرف عقلی استدلال پیش کرو۔ ہم کسی ایسی چیز کو نہ مانیں گے جو عقلی دلائل اور فطری شواہد سے ثابت نہ کر دی جائے۔ لیکن ان تمام بلند آہنگیوں کے تھیلے میں وہی بلی چھپی ہوئی ہے جو نہ عقلی ہے نہ فطری۔ ان کے مقالات کا تجزیہ کیجئے تو سماعت معلوم

ہو جائیگا کہ معقولات اور فطری وجدانیات کے ادراک سے ان کے ذہن عاجز ہیں جس کو یہ "عقلی فائدہ" کہتے ہیں، اس کی حقیقت پوچھیے تو معلوم ہوگا کہ اس سے مراد "تجربی فائدہ" ہے۔ اور تجربی فائدہ وہ ہے جو ٹھوس ہو، وزنی ہو، شمار اور پیمائش میں آ سکے۔ کوئی چیز جس کا فائدہ ان کو حسابی اعداد سے گن کر یا ترازو کے پڑوں سے تول کر یا گز سے ناپ کر نہ بتایا جاسکے اس کو یہ مفید نہیں مان سکتے، اور جب تک اس سخی خاص میں اس کی افادت ثابت نہ کر دی جائے اس پر ایمان لانا اور اس کا اتباع کرنا ان کے نزدیک ایسا فعل ہے جس کو یہ "غیر معقولیت" سے تعبیر کرتے ہیں۔ فطرت کی رہنمائی جس کی پیردی کا ان کو دعویٰ ہے اس کی حقیقت بھی تھوڑی سی صرح میں مکمل جاتی ہے۔ فطرت سے مراد ان کے نزدیک انسانی فطرت نہیں بلکہ حیوانی فطرت ہے جو وجدان اور شہادت قلبیہ سے خالی ہے اور صرف حس خواہش اور مطالبات نفس و حسد رکھتی ہے۔ ان کے نزدیک اعتبار کے قابل صرف وہی چیزیں ہیں جو اس کو متاثر کر سکیں خواہشات کو تسکین دے سکیں جسمانی یا نفسانی مطالبات کو پورا کر سکیں جن کا فائدہ فوراً مشاہدہ میں آجائے اور جن کا نقصان نظروں سے اوجھل ہو یا فائدہ کے مقابلے میں ان کو کم نظر آئے۔ باقی رہیں وہ چیزیں جو فطرت انسانی کے مقتضیات سے ہیں جن کی اہمیت کو انسان اپنے وجدان میں پاتا ہے جن کے فوائد یا نقصانات مادی اور حسی نہیں بلکہ نفسی اور روحانی ہیں سو ان کی نگاہ میں وہ اہم اور اخراجات ہیں، رنج اور ناقابل اعتنا رہیں۔ ان کو کسی قسم کی اہمیت دینا، بلکہ ان کے وجود کو تسلیم کرنا بھی تاریک خیالی، وہم پرستی اور دقتِ انوسیت ہے۔ ایک طرف عقل و فطرت سے یہ انحراف ہے، دوسری طرف تعصبات اور فطرت کا دعویٰ ہے، اور عقل کے دیوالیہ پن کا حال یہ ہے کہ وہ اس اجتماعِ ہندین کو محسوس تک نہیں کرتی۔

تعلیم و تہذیب فکر کا کم سے کم اتنا فائدہ ہر انسان کو حاصل ہونا چاہیے کہ اس کے خیالات میں الجھاؤ باقی نہ رہے، افکار میں پراگندگی اور اثر و لیدگی نہ ہو وہ صاف اور سیدھا طریق فکر اختیار کر سکے، مقدمات کو صحیح ترتیب دے کر صحیح نتیجہ اخذ کر سکے، تناقض اور خلط و بحث جیسی صریح غلطیوں سے بچ سکے۔ لیکن مستثنیات کو چھوڑ کر ہم اپنے عام تعلیم یافتہ حضرات کو دماغی تربیت کے ان ابتدائی ثمرات سے بھی محروم پاتے ہیں۔ ان میں اتنی تمیز ہی تو نہیں ہوتی کہ کسی مسئلے پر بحث کرنے سے پہلے اپنی صحیح حیثیت متعین کر لیں، پھر اس حیثیت کے عقلی لوازم کو سمجھیں اور ان کو ملحوظ رکھ کر ایسا طریق استدلال اختیار کریں جو اس حیثیت سے مناسبت رکھتا ہو۔ ان سے گفتگو کیجئے، یا ان کی تحریریں دیکھئے، پہلی نظر میں آپ کو محسوس ہو جائے گا کہ ان کے خیالات میں سخت الجھاؤ ہے۔ بحث کی ابتداء ایک حیثیت سے کی تھی، چند قدم چل کر حیثیت بدل دی، آگے بڑھے تو ایک دوسری حیثیت اختیار کر لی۔ اثبات مدعا کے لئے مقدمات کو سمجھ بوجھ کر انتخاب کرنا اور ان کو منطقی اسلوب پر مرتب کرنا تک نہ آیا۔ آغاز سے لیکر اختتام تک یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ دراصل آپ کا مدعا کیا ہے، کس مسئلے کی تحقیق پیش نظر تھی اور کیا آپ نے ثابت کیا۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ موجودہ تہذیب اور اس کے اثر سے موجودہ تعلیم کا میدان زیادہ تر حیات اور مادیات کی طرف ہے۔ وہ خواہشات کو بیدار کر دیتی ہے، مطلوبات اور ضروریات کے احساس کو ابھار دیتی ہے، محسوسات کی اہمیت کو دلوں میں بٹھا دیتی ہے، مغرور عقل اور ذہن کی تربیت نہیں کرتی، تنقید اور تفکر کی صلاحیتوں کو نہیں چمکاتی، تہذیب نفس اور تنویر افکار سے غفلت برتی ہے، اور سب سے زیادہ یہ کہ مادیات کی طرف غیر معتدل میلان پیدا کر کے ذہن کا توازن بگاڑ دیتی ہے۔ اس تعلیم سے مزین ہو کر جو لوگ نکلتے ہیں ان میں تعقل اور تفکر کا پندار تو ضرور پیدا ہو جاتا ہے، یورپی پنداران کو ہر چیز پر عقلی تنقید کرنے اور ہر اس چیز سے انکار کر دینے پر آمادہ کرتا ہے جو ان کی عقل میں نہ سمائے، مگر حقیقت

ان کا ذہن عقلیت سے منحرف ہوتا ہے اور صحیح عقلی طریق پر کسی مسئلے کو سلجھانے یا کسی امر میں رائے قائم کرنے کی صلاحیت ان میں پیدا ہی نہیں ہوتی۔

اس غیر معقول عقلیت کا اظہار سب سے زیادہ ان مسائل میں ہوتا ہے جو مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، کیونکہ یہی وہ مسائل ہیں جن کے روحانی و اخلاقی اور اجتماعی و عمرانی مبادی مغز کے نظریات سے ہر نقطہ پر متصادم ہوتے ہیں۔

اسپ کسی جدید تعلیم یافتہ شخص سے کسی مذہبی مسئلے پر گفتگو کیجئے اور اس کی ذہنی کیفیت کا امتحان لینے کے لئے پہلے اس سے مسلمان ہونے کا اقرار کرا لیجئے پھر اس کے سامنے مجرد حکم شریعت بیان کر کے سند پیش کیجئے۔ وہ فوراً اپنے شانے ہلائیگا اور بڑے عقل پرستانہ انداز میں کہے گا کہ یہ تلائیت ہے۔ میرے سامنے عقلی دلیل لاؤ اگر تمہارے پاس معقولات نہیں صرف منقولات ہی منقولات ہیں تو میں تمہاری بات نہیں مان سکتا۔ بس اپنی چند فقروں سے یہ راز فاش ہو جائے گا کہ اس شخص کو عقلیت کی ہوا بھی چھو کر نہیں گزری ہے۔ اس غریب کو برسوں کی تعلیم اور تربیت علمی کے بعد اتنا بھی معلوم نہ ہو سکا کہ طلب حجت کے عقلی لوازم کیا ہیں اور طالب حجت کی صحیح پوزیشن کیا ہوتی ہے۔ اسلام کی نسبت سے عقلاً انسان کی دو ہی حیثیتیں ہو سکتی ہیں۔ یا وہ مسلمان ہوگا یا کافر ہوگا۔ اگر مسلمان ہے تو مسلمان ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ خدا کو خدا، اور رسول کو خدا کا رسول تسلیم کر چکا ہے اور یہ بھی اقرار کر چکا ہے کہ خدا کی طرف سے اس کا رسول جو کچھ حکم پہنچائے گا اس کی اطاعت وہ بے چون و چرا کرے گا۔ اب فرداً فرداً ایک ایک حکم پر حجت عقلی طلب کرنے کا اسے حق ہی نہیں ہوا۔ مسلم ہونے کی حیثیت سے اس کا کام صرف یہ تحقیق کرنا ہے کہ کوئی خاص حکم رسول خدا نے دیا ہے یا نہیں۔ جب حجت نقلی سے یہ ثابت کر دیا گیا تو اس کو فوراً اطاعت کرنی چاہیے

وہ اپنے اطمینانِ قلب اور حصولِ بعیرت کے لئے حجتِ عقلی کی درخواست کر سکتا ہے مگر اس وقت جبکہ وہ امتثالِ امر کر چکا ہو۔ امتثالِ امر کے لئے حجتِ عقلی کو شرط قرار دینا، اور حجت نہ ملنے یا اطمینانِ قلب نہ ہونے پر اطاعت سے انکار کر دینا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ دراصل رسولِ خدا کی حاکمیت (انتھارٹی) کا انکار کر رہا ہے اور یہ انکار مستلزمِ کفر ہے۔ حالانکہ ابتداء میں اس نے خود مسلم ہونے کا اقرار کیا تھا۔ اب اگر وہ کافر کی حیثیت اختیار کرتا ہے تو اس کے لئے صحیح جائے قیام دائرہ اسلام کے اندر نہیں بلکہ اس کے باہر ہے۔ سب سے پہلے اس میں اتنی اخلاقی جرأت ہونی چاہیے کہ جس مذہب پر حقیقت وہ ایمان نہیں رکھتا اس سے نکل جائے۔ اس کے بعد وہ اس لائق سمجھا جائیگا کہ حجتِ عقلی طلب کرے اور اس کی طلب کا جواب دیا جائے

یہ قاعدہ عقلِ سلیم کے مقتضیات میں سے ہے اور دنیا میں کوئی نظم اور کوئی منابطہ اس کے بغیر قائم نہیں ہو سکتا۔ کوئی حکومت ایک لمحہ کے لئے بھی قائم نہیں رہ سکتی جس کی رعایا کا ہر فرد اس کے ہر حکم پر حجتِ عقلی کا مطالبہ کرے اور حجت کے بغیر اطاعت امر سے انکار کر دے۔ کوئی فوج و حقیقت ایک فوج ہی نہیں بن سکتی اگر اس کا ہر سپاہی اپنے جنرل کے ہر حکم کی وجہ دریافت کرے اور ہر معاملہ میں اپنے اطمینانِ قلب کو اطاعت کے لئے شرط قرار دے۔ کوئی مدرسہ، کوئی گالج کوئی انجمن غرض کوئی اجتماعی نظام اس اصول پر نہیں بن سکتا کہ ہر ہر جزئی حکم پر ہر فرد کو مطمئن کرنے کی کوشش کی جائے اور جب تک ایک ایک شخص کو اطمینان حاصل نہ ہو جائے اس وقت تک کسی حکم کی اطاعت نہ کی جائے۔ انسان جس نظام میں بھی داخل ہوتا ہے اس ابتدائی اور جلدی مفروضہ کے ساتھ ہوتا ہے کہ وہ اس نظام کے اقتدارِ اعلیٰ پر پکلی حیثیت سے اعتقاد رکھتا ہے۔ اور اس کی حکمرانی کو تسلیم کرتا ہے۔ اب جس وقت تک وہ اس نظام کا ایک جز ہے اس کا فرض

ہے کہ اقتدار اعلیٰ کی اطاعت کرے، خواہ کسی جزئی حکم پر اس کو اطمینان ہو یا نہ ہو۔ مجرمانہ حیثیت سے کسی حکم کی خلاف ورزی کرنا امر دیگر ہے۔ ایک شخص جزئیات میں نافرمانی کر کے بھی ایک نظام میں شامل رہ سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی چھوٹے سے چھوٹے جزئیہ میں بھی اپنے ذاتی اطمینان کو اطاعت کے لئے شرط قرار دیتا ہے تو دراصل وہ اقتدار اعلیٰ کی حکومت تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے اور یہ صریح بغاوت ہے۔ حکومت میں یہ طرز عمل اختیار کیا جائیگا تو اس پر بغاوت کا مقدمہ قائم کر دیا جائے گا۔ فوج میں اس کا کورٹ مارشل ہو گا۔ مدرسہ اور کالج میں فوری اخراج کی کارروائی کی جائیگی۔ مذہب میں اس پر کفر کا حکم جاری ہو گا۔ اس لئے کہ اس نوع کے طلب حجت کا حق کسی نظام کے اندر رہ کر کسی شخص کو نہیں دیا جاسکتا۔ ایسے طالب حجت کا صحیح مقام اندر نہیں باہر ہے پہلے وہ باہر نکل جائے پھر جو چاہے اعتراض کرے۔

اسلام کی تنظیم میں یہ قاعدہ اصل اور اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ پہلے احکام نہیں دیتا بلکہ سب سے پہلے اللہ اور رسول پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔ جتنی جیتیں ہیں سب اسی ایک چیز پر تمام کی گئی ہیں۔ ہر عقلی دلیل اور فطری شہادت سے انسان کو اس امر پر مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ خدائے واحد ہی اس کا آئہ ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ آپ جس قدر عقلی جانچ پڑتال کرنا چاہتے ہیں اس بنیادی مسئلہ پر صرف کیجئے۔ اگر کسی دلیل اور کسی حجت سے آپ کا دل اس پر مطمئن نہ ہو، تو آپ کو داخل اسلام ہونے پر مجبور نہیں کیا جائیگا۔ اور نہ احکام اسلامی میں سے کوئی حکم آپ پر جاری ہو گا۔ لیکن جب آپ نے اس کو قبول کر لیا تو آپ کی حیثیت ایک ”مسلم“ کی ہو گئی اور ”مسلم“ کے معنی ہی مطیع کے ہیں۔ اب یہ منووری نہیں کہ اسلام کے ہر حکم پر آپ کے سامنے دلیل و حجت پیش کی جائے، اور احکام کی اطاعت کرنے یا نہ کرنے کا انحصار آپ کے اطمینان قلب پر ہو، مسلم

بن جانے کے بعد آپ کا فرض یہ ہے کہ جو حکم آپ کو خدا اور رسول کی طرف سے پہنچے بے چون و چرا اس کی اطاعت کریں۔

إِذَا كَانَ قَوْلُ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ
وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا
وَاطَعْنَا (۴:۲۲)

ایمان لانے والوں کا قول صرف یہ ہے کہ جب
ان کو اللہ اور رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ
رسول ان کے درمیان حکم کرے تو وہ کہیں کہ
ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

ایمان اور ایسی طلب حجت جو تسلیم و اطاعت کے لئے شرط ہو باہم متنقض ہیں اور ان دونوں
کا اجتماع صریح عقل سلیم کے خلاف ہے۔ جو مومن ہے وہ اس حیثیت سے طالب حجت نہیں ہو سکتا
اور جو ایسا طالب حجت ہے وہ مومن نہیں ہو سکتا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ
وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ
مِنْ أَمْرِهِمْ (۵۱:۲۳)

کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں
کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا فیصلہ کرے
تو ان کو اپنے معاملہ میں خود کو کوئی فیصلہ کرنے کا
اختیار حاصل ہے۔

اسلام نے اصلاح اور تنظیم کا جو عظیم الشان کام انجام دیا ہے وہ سب اسی قاعدہ کی وجہ سے
ہے۔ دلوں میں ایمان بٹھا دینے کے بعد جس چیز سے روکا گیا تمام اہل ایمان اس سے رک گئے،
اور جس چیز کا حکم دیا گیا وہ ایک اشارے پر لاکھوں کروڑوں انسانوں میں رائج ہو گئی۔ اگر ایک
ایک چیز کے لئے عقلی بحثیں پیش کرنا ضروری ہو تب بھی اور ہر امر دینی کی حکمتیں اور مصلحتیں سمجھانے پر
اطاعت احکام موقوف ہوتی تو قیامت تک انسانی اخلاق کی اصلاح اور اعمال کی وہ تنظیم نہ ہو سکتی
جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال کی مختصر مدت میں انجام دے دی۔

اس کے یہ معنی نہیں کہ اسلام کے احکام خلاف عقل ہیں یا اس کا کوئی جزئی سے جزئی حکم بھی حکمت و مصلحت سے خالی ہے۔ اس کے معنی یہ بھی نہیں کہ اسلام اپنے پیروں سے اندھوں کی سی تقلید چاہتا ہے اور احکام کی عقلی و فطری بنیادوں کو تلاش کرنے اور ان کے مصالح و حکم کو سمجھنے سے روکتا ہے۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اسلام کی صحیح پیروی کے لئے تفقہ اور تدبیر ضروری ہے جو شخص احکام کی حکمتوں اور مصلحتوں کو جتنا زیادہ سمجھے گا وہ اتنا ہی زیادہ صحیح اتباع کر سکے گا۔ ایسے فہم اور ایسی بصیرت سے اسلام روکتا نہیں بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ لیکن زمین و آسمان کا فرق ہے اس عقلی تجسس میں جو اطاعت کے بعد ہو اور اس عقلی امتحان میں جو اطاعت سے پہلے اور اطاعت کے لئے شرط ہو۔ مسلم سب سے پہلے غیر مشروط اطاعت کرتا ہے پھر احکام کی مصلحتوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ ہر حکم کی مصلحت اس کی سمجھ میں آجائے۔ اس کو تو دراصل خدا کی خدائی اور رسول کی رسالت پر اطمینان کلی حاصل ہے۔ اس کے بعد وہ بصیرتِ تامہ حاصل کرنے کے لئے جزئیات پر مزید اطمینان حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اگر یہ اطمینان بھی حاصل ہو جائے تو خدا کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر حاصل نہ ہو تو اس اطمینان کلی کی بنا پر جو اسے خدا اور رسول پر ہے بلا تاویل احکام کی اطاعت کئے چلا جاتا ہے۔ اس قسم کی طلبِ محبت کو اس طلبِ محبت سے کیا نسبت جو ہر قدم پر پیش کی جائے اور اس داعیہ کے ساتھ پیش کی جائے کہ اگر میرا اطمینان کرتے ہو تو قدم اٹھاتا ہوں ورنہ پیچھے ہٹتا ہوں۔

حال میں ایک تحریر ہماری نظر سے گزری جو ایک ”مسلم“ جماعت کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ یہ جماعت اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ مذہب سے منحرف بھی نہیں بلکہ اپنی دانست میں بڑی مذہبی خدمت انجام دے رہی ہے۔ مذہبی ”اصلاح“ کے نام سے جن امور کی تبلیغ وہ کرتی ہے ان میں

سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر سال بقرعید کے موقع پر مسلمانوں کو قربانی سے روکا جاتا ہے اور انہیں مشورہ دیا جاتا ہے کہ جو روپیہ وہ جانوروں کو ذبح کرنے پر صرف کرتے ہیں اسے قومی ادارات کی اعانت یتیموں اور میواؤں کی پرورش اور بے روزگاروں کو روزگار فراہم کرنے میں صرف کریں۔ اس تبلیغ پر کسی مسلمان نے اعتراض کیا جس کی پوری عبارت ہم تک نہیں پہنچی ہے۔ مگر اس اعتراض کے جواب میں جو کچھ کہا گیا وہ یہ ہے کہ :

”سوائے نقل و تقلید کے آج تک کسی صاحب نے قربانی کے عقلی و تجربی فوائد پر روشنی نہیں ڈالی۔۔۔ اگر کوئی صاحب اس سے پہلے ہم کو اپنے عقیدہ قربانی کے عقلی پہلو سے آگاہ فرمائیں تو وہ ہمارے شکوہ کے مستحق ہوں گے۔“

یہ تحریر نمونہ ہے اُن لوگوں کی دماغی حالت کا جو اپنے آپ کو ”تعلیم یافتہ“ کہتے ہیں۔ ایک طرف عقلیت کا اس قدر زبردست دعویٰ ہے، اور دوسری طرف ”غیر عقلیت“ کا ایسا شدید مظاہرہ ہے صرف یہی دو فقرے جو قلم مبارک سے نکلے ہیں اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ آپ نے اپنی صحیح حیثیت ہی متین نہیں کی۔ اگر آپ مسلم کی حیثیت سے بول رہے ہیں تو آپ کو سب سے پہلے ”نقل“ کے آگے سر جھکانا چاہیے، پھر عقلی حجت کا مطالبہ کرنے کا آپ کو حق ہوگا، اور وہ بھی شرط اطاعت کے طور پر نہیں بلکہ محض اطمینان قلب کے لئے اور اگر آپ اطاعت سے پہلے حجت عقلی کے طالب ہیں اور یہ شرط اطاعت ہے تو آپ کو ”مسلم“ کی حیثیت سے بولنے کا حق ہی نہیں۔ اس نوع کے طالب حجت کو پہلے ایک غیر مسلم کی حیثیت اختیار کرنی چاہیے پھر اس کو یہ حق تو حاصل ہوگا کہ جس مسئلے پر چاہے اعتراض کرے، مگر یہ حق نہ ہوگا کہ مسلمانوں کے کسی امر دینی میں مفتی اسلام بن کر فتویٰ صادر کرے۔ آپ ایک ہی وقت میں ان دونوں متضاد حیثیتوں کو اختیار کرتے ہیں اور ایک حیثیت کے بھی عقلی لوازم پورے نہیں کرتے۔ ایک طرف آپ نہ صرف ”مسلم“ بلکہ مفتی اسلام بنتے ہیں۔ دوسری طرف آپ کا حال

یہ ہے کہ "نقل" کو آپ پہنچ سمجھتے ہیں۔ حکم کا حکم ہونا آپ نقل کے ذریعہ سے ثابت کیا جاتا ہے۔ مگر آپ اس کی اطاعت سے انکار کر دیتے ہیں اور یہ شرط پیش فرماتے ہیں کہ پہلے اس حکم کے عقلی و تجربی فوائد پر روشنی ڈالی جائے، بالفاظ دیگر آپ کسی حکم کو محض حکم خدا و رسول ہونے کی حیثیت سے نہیں مانیں گے بلکہ اس کے عقلی و تجربی فوائد کی بنا پر مانیں گے۔ اگر ایسے فوائد معلوم نہ ہو سکیں یا آپ کے معیار پر وہ فوائد ثابت نہ ہوں تو آپ حکم کو رد کر دیں گے بلکہ اس کے خلاف پروپیگنڈا بھی کریں گے، اس کو بے عمل "بے معنی" "مفضول بلکہ مضر" اور "سرفراز رسم" قرار دیں گے اور مسلمانوں کو اس کے اتباع سے روکتے ہیں اپنی قوت صرف کریں گے۔ کوئی عقل ہے جو اس مناقض طرز عمل اور متضاد حیثیات کے اختلاف کو جائز رکھتی ہے۔ حجت عقلی کا مطالبہ سجاد درست۔ مگر پہلے یہ تو ثابت کیجئے کہ آپ ذوی العقول ہیں سے ہیں۔

عقلی اور تجربی فائدہ کسی ایک مخصوص اور متعین چیز کا نام نہیں ہے۔ یہ ایک نسبی و اضافی چیز ہے۔ ایک شخص کی عقل ایک چیز کو مفید سمجھتی ہے دوسرے کی عقل اس کے خلاف حکم لگاتی ہے۔ تیسرا شخص اس میں کسی نوع کا فائدہ تسلیم کرتا ہے مگر اس کو اہمیت نہیں دیتا اور ایک دوسری چیز کو اس سے زیادہ مفید ٹھہراتا ہے۔ تجربی فوائد میں اس سے بھی زیادہ اختلاف کی گنجائش ہے۔ فائدے کے متعلق ہر شخص کا نظریہ الگ ہے، اور اسی نظریہ کے لحاظ سے وہ اپنے یاد دہانوں کے تجربات کو مرتبہ کے مفید یا غیر مفید ہونے کا حکم لگاتا ہے۔ ایک شخص نفع حاصل کا طالب ہے اور صرف ضرر حاصل کو قابلِ حذر سمجھتا ہے۔ اس کا انتخاب ایسے شخص کے انتخاب سے یقیناً مختلف ہو گا جس کی نظر مال کا پر ہو۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن میں ایک نوع کا فائدہ اور دوسری نوع کی مضرت ہے۔ ایک شخص ان کو اس لئے اختیار کرتا ہے کہ وہ فائدہ کی خاطر مضرت کو قبول کرنے کے لئے تیار ہے۔ دوسرا شخص ان سے اجتناب کرتا ہے کیونکہ اس کی رائے میں ان کی مضرت ان کے فائدے سے زیادہ ہے۔ غیر عقلی اور تجربی فوائد میں بھی بسا اوقات تخالف پایا جاتا ہے۔ ایک چیز تجربی حیثیت سے

مضر ہے مگر عقل مفیدہ کرتی ہے کہ کسی بڑے عقلی قائد کے لئے اس مضرت کو برداشت کرنا چاہیے۔ ایک دوسری چیز ہے جو تجربی حیثیت سے مفید ہے مگر عقل یہ فتویٰ دیتی ہے کہ کسی عقلی مضرت سے بچنے کے لئے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ایسے اختلافات کی موجودگی میں کسی چیز کے عقلی اور تجربی فوائد پر کوئی ایسی روشنی ڈالنی ممکن ہی نہیں جس سے تمام لوگ اس کے مفید ہونے پر متفق ہو جائیں اور انکار کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔ محض ایک قربانی پر کیا موقوف ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، اور اور امور و نواہی شریعت میں سے کوئی چیز ایسی جس کے عقلی اور تجربی فوائد پر ایسی روشنی ڈال دی گئی ہو کہ وہ کالشمش فی النہار نظر آنے لگے ہوں اور تمام لوگوں نے ان کو تسلیم کر کے ان کی پابندی اختیار کر لی ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو آج ایک شخص بھی دنیا میں تارک صوم و صلوٰۃ اور منکر حج و زکوٰۃ نہ ہوتا۔ اسی لئے اسلام نے اپنے احکام کو ہر شخص کی عقل اور تجربہ کے فتوے پر موقوف نہیں رکھا ہے بلکہ ایمان اور اطاعت کو اساس بنایا ہے۔ مسلم عقلی اور تجربی فوائد پر ایمان نہیں لاتا بلکہ خدا اور رسول پر ایمان لاتا ہے اس کا مذہب یہ نہیں ہے کہ کسی چیز کا قائد عقل و تجربہ سے ثابت ہو جائے تب وہ اس کو قبول کرے، اور کسی چیز کی مضرت عقلی و تجربی حیثیت سے برہن ہو جائے تب وہ اس سے اجتناب کرے۔ بلکہ اس کا مذہب یہ ہے کہ جو حکم خدا اور رسول سے ثابت ہو جائے وہ قابل اتباع ہے، اور جو حکم ثابت نہ ہو وہ قابل اتباع نہیں ہے۔

پس یہاں اصلی سوال یہی ہے کہ آپ کا ایمان عقل اور تجربہ پر ہے یا خدا اور اس کے رسول پر۔ اگر پہلی بات ہے تو آپ کو اسلام سے کچھ واسطہ نہیں۔ پھر آپ کو سلمان بن کر گفتگو کرنے اور مسلمانوں کو ارض غرضی زرع کی نام نہاد سنت سے اجتناب کا مشورہ دیتے کا کیا حق ہے؟ اور اگر دوسری بات ہے تو مدار بحث عقلی و تجربی فوائد نہ ہونے چاہئیں بلکہ یہ سوال ہونا چاہیے کہ آیا قربانی محض ایک رسم ہے جس کو مسلمانوں نے مٹھ لیا ہے یا ایک عبادت ہے جس کو اللہ نے پسند فرمایا اور اللہ کے رسول نے اپنی امت میں جاری کیا؟